دعوت اسلامی اور اس کا طریق کار

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ مطبوعات طلبہ
۱۔اے: ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور فون 042-37428307

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	دعوت اسلامی اور اس کا طریق کار
مصنف	:	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
ناشر	:	ضیاءالدین (مینیجنگ ڈائریکٹر)
اہتمام	:	ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور
مطبع	:	قاسم پرنٹرز
کمپوزنگ	:	قاسم گرافکس منصورہ لاہور *0322-4464573*
اشاعت	:	
تعداد	:	
قیمت	:	

ادارہ مطبوعات طلبہ

1-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور 042-37428307

دعوت اسلامی اور اس کا طریق کار

(یہ تقریر ۱۹ اپریل ۱۹۴۵ء کو سالانہ اجتماع منعقدہ دار الاسلام پٹھان کوٹ میں کی گئی)

حمد وثناء کے بعد فرمایا:

سب سے پہلے اس امر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں ایک نہایت خشک دعوت اور نہایت بے مزہ طریق کار کو بالآخر لوگوں کے لیے دلچسپ وخوش ذائقہ بنانے میں توقع سے زیادہ کامیابی عطا کی ہم جس دعوت کو لے کر اُٹھے تھے۔اس سے زیادہ کاسد جنس آج دنیا کی دعوتوں کے بازار میں اور کوئی نہ تھی اور اس کے لیے جو طریق کار ہم نے اختیار کیا اس کے اندر وان چیزوں میں کوئی چیز بھی نہ تھی جو آج کل دنیا کی دعوتوں کے پھیلانے میں اور خلق کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں استعمال کی جاتی ہیں۔نہ جلسے نہ جلوس، نہ نعرے، نہ جھنڈے، نہ مظاہرے، نہ نمائش نہ تقریریں، نہ واعظ ،لیکن ان کے باوجود ہم دیکھتے ہیں اور یہ دیکھ کر ہمارا دل شکر وسپاس کے جذبے سے لبریز ہو جاتا ہے کہ بندگانِ خدا روز بروز زیادہ کثرت کے ساتھ ہماری اس دعوت کی طرف کھنچ رہے ہیں اور ہمارے بے لطف اجتماعات میں شرکت کے لیے دور دور سے بغیر کسی طلب کے آتے ہیں۔

ہمارے اس اجتماع کا اعلان صرف ایک مرتبہ اخبار ''کوثر'' میں شائع ہوا اور اس کے بعد کوئی پروپیگنڈا اور کسی قسم کی اشتہار بازی عام اصطلاح میں ''جلسہ کو کامیاب بنانے کے لیے'' نہیں کی گئی۔ پھر بھی ایک ہزار اشخاص ہندوستان کے مختلف گوشوں سے یہاں جمع ہو گئے یہ کشش بہر حال حق ہی کی کشش ہے کیونکہ ہمارے پاس حق کے سوا کوئی اور چیز کھینچنے والی سرے سے ہے ہی نہیں۔

اجتماعات کا مقصد:

ہمارے ان اجتماعات کا مقصد کوئی مظاہرہ کرنا اور ہنگامہ برپا کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا نہیں ہے۔ ہماری غرض اس سے صرف یہ ہے کہ ہمارے ارکان ایک دوسرے سے متعارف اور مربوط ہوں، ان کے درمیان اجنبیت اور ناآشنائی باقی نہ رہے، وہ ایک دوسرے سے قریب ہوں اور باہمی مشورے سے تعاون کی صورتیں نکالیں اور اپنے کام کو آگے بڑھانے اور مشکلاتِ راہ اور پیش آمدہ

مسائل کو حل کرنے کی تدبیریں سوچیں اور اس کے علاوہ ہمارے پیش نظر ان اجتماعات سے یہ فائدہ بھی ہے کہ ہمیں اپنے کام کا جائزہ لینے اور اس کی کمزوریوں کو سمجھنے اور انہیں دور کرنے کا وقتاً فوقتاً موقع ملتا رہتا ہے نیز ہمارے کام کے متعلق کچھ لوگ شکوک وشبہات رکھتے ہیں ان کو بھی یہ موقع مل جاتا ہے کہ بالمشافہ ہماری دعوت اور ہمارے کام کو سمجھیں...... اور ان کا دل گواہی دے کہ ہم واقعی حق پر ہیں تو ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ بہت سی غلط فہمیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ صرف دوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتی رہتی ہیں۔محض قرب اور مشاہدہ و معائنہ اور شخصی تعلق ہی ایسی غلط فہمیوں کو رفع کر دینے کے لیے کافی ہوتا ہے ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان حرات کے بھی شکر گزار ہیں جو اپنا وقت اور اپنا مال صرف کر کے ہمارے ان اجتماعات میں محض ہماری بات کو سمجھنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ ہم جستجوئے حق کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ جہاں ان کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں ہے وہاں وہ محض اس وجہ سے آتے ہیں کہ اللہ کے کچھ بندے جو اللہ کا نام لے کر ایک کام کر رہیں ہیں ان کے متعلق تحقیق کریں کہ واقعی ان کا کام کس حد تک اللہ کا ہے۔اور اللہ کے لیے ہے۔ یہ مخلصانہ حق جوئی اگر ذہن و دماغ کی صائی کے ساتھ بھی ہو تو اللہ ان کی سعی و جستجو کو ضائع نہ ہونے دے گا اور ضرور انہیں حق کے نشانات راہ دے گا۔

چونکہ ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہماری دعوت اور ہمارا مقصد کیا ہے اور کس طریقے سے ہم اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اس لیے سب سے پہلے میں انہی دو امور پر کچھ عرض کروں گا۔

ہماری دعوت کیا ہے ہماری دعوت کے متعلق عام طور پر جو بات کہی جاتی ہے۔وہ یہ ہے کہ ہم حکومت الٰہیہ کے قیام کی دعوت دیتے ہیں حکومت الٰہیہ کا لفظ کچھ تو خود لط فہمی پیدا کرتا ہے اور کچھ اسے غلط فہمی پیدڈا کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔''

لوگ یہ سمجھتے ہیں اور انہیں ایسا سمجھایا بھی جاتا ہے کہ حکومت الٰہیہ کا لفظ کچھ تو خود غلط فہمی پیدا کرتا ہے اور کچھ اسے غلط فہمی پیدڈا کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔''

لوگ یہ سمجھتے ہیں اور انہیں ایسا سمجھایا بھی جاتا ہے کہ حکومت الٰہیہ سے مراد محض ایک سیاسی نظام ہے اور ہماری غرض اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ موجود نظام کی وہ مخصوص جگہ سیاسی نظاما قائم ہو پھر چونکہ اس سیاسی نظام کے چلانے والے لامحالہ وہی مسلمان ہوں گے جو اس کے قیام کی تحریک میں

حصہ لے رہے ہوں اس لیے خود بخود اس تصور میں سے یہ معنی نکل آتے ہیں یا ہوشیاری کے ساتھ نکال لیے جاتے وہیں کہ ہم محض حکومت چاہتے ہیں۔اس کے بعد ایک دیندارانہ وعظ شروع ہوتا ہے اور ہم سے کہاں جاتا ہے کہ تمہارے پیش نظر محض دنیا ہے حالانکہ مسلمان کے پیش نظر دین اور آخرت ہونی چاہیے اور یہ کہ حکومت طلب کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ ایک انعام ہے جو دیندارانہ زندگی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جاتا ہے۔ یہ باتیں کہیں تو نافہمی کے ساتھ کی جاتی ہیں اور کہیں ہوشمندی کے ساتھ اس غرض کے لیے کہ اگر ہمیں نہیں تو کم سے کم خلق خدا کے بڑے حصہ کو بدگمانیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا کیا جائے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص ہمارے لٹریچر کو کھلے دل کے ساتھ پڑھے تو اس پر باآسانی یہ بات کھل سکتی ہے کہ ہمارے پیش نظر صرف ایک سیاسی نظام کا قیام نہیں ہے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ پوری انسانی زندگی......انفرادی و اجتماعی...... میں وہ ہمہ گیر انقلاب رونما ہو۔ جو اسلام رونما کرنا چاہتا ہے۔ جس کے لیے اللہ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی امامت و رہنمائی میں امت مسلمہ کے نام سے ایک گروہ بنتا رہا ہے۔

دعوت اسلامی کے تین نکات:

اگر ہم اپنی دعوت کو مختصر طور پر صاف اور سیدھے الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو یہ تین نکات پر مشتمل ہوگی:

۱۔ یہ کہ ہم بندگان خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اس کو ماننے کا دعویٰ یا اظہار کرے اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگیسے منافقت اور تناقض کو خارج کرے اور جب وہ مسلمان ہے یا بنا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

۳۔ یہ کہ زندگی کا نظام جو آج باطل پرستوں اور فساق و فجار کی رہنمائی اور قیادت و فرمانروائی میں چل رہا ہے اور معاملات دنیا کے انتظام کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہنمائی و امامت نظری اور عملی

دونوں حیثیتوں سے مومنین صالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔ یہ تینوں نکات اگرچہ اپنی جگہ بالکل صاف ہیں ایک مدت دراز سے ان پر غفلتوں اور غلط فہمیوں کے پردے پڑے رہے ہیں۔ اس لیے بدقسمتی سے آج غیر مسلموں کے سامنے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے سامنے بھی ان کی تشریح کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔

بندگی رب کا حقیقی مفہوم:

اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دینے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے، کہ خدا کو خدا اور اپنے آپ کو خدا کا بندہ تو مان لیا جائے۔ مگر اس کے بعد اخلاقی و عملی اور اجتماعی زندگی ویسی کی ویسی ہی رہے جیسی خدا کو نہ ماننے اور اس کی بندگی کا اعتراف نہ کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا کو نہ ماننے اور اس کی بندگی کا اعتراف نہ کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا کی بندگی کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ خدا کو فوق الفطری طریقہ پر تو خالق اور رازق اور معبود تسلیم کر لیا جائے مگر عملی زندگی کی فرمانروائی و حکمرانی سے اس کو بے دخل کر دیا جائے اسی طرح خدا کی بندگیکا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ زندگی کو مذہبی اور دینوی دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا جائے اور صرف مذہبی زندگی میں جس کا تعلق عقائد اور عبادت اور حرام و حلال کی چند محدود قیود سے سمجھا جاتا ہے خدا کی بندگی کی جائے۔ باقی رہے دینوی معاملات جو تمدن، معاشرت، سیاست، معیشت، علوم فنون اور ادب وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں تو ان میں انسان خدا کی بندگی سے بالکل آزاد رہے اور جس نظام کو چاہے خود وضع کرے یا دوسروں کے وضع کیے ہوئے کو اختیار کر لے۔ بندگی رب کے ان سب مفہومات کو ہم سراسر غلط سمجھتے ہیں، ان کو مٹانا چاہتے یہں اور ہماری لڑائی جتنی شدت کے ساتھ نظام کفر کے ساتھ ہے اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ شدت کے ساتھ بندگی کے ان مفہومات کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کی بدولت دین کا تصور ہی سرے سے مسخ ہو گیا ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن اور اس سے پہلے کی تمام آسمانی کتابیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے کے تمام پیغمبر جو دنیا کے مختلف گوشوں میں آئے ان کی بالاتفاق دعوت جس بندگی رب کی طرف تھی وہ یہ تھی کہ انسان خدا کو پورے معنی میں الٰہ اور رب معبود اور حاکم، آقا اور مالک، رہنما اور قانون ساز، محاسب اور مجازی (جزا دینے والا) تسلیم کر کے اور اپنی پوری زندگی کو خواہ وہ شخصی ہو یا اجتماعی، اخلاقی ہو یا مذہبی، تمدنی وسیاسی اور معاشی ہو یا علمی و نظری، اسی ایک خدا کی بندگی

میں سپرد کر دے۔ یہی مطالبہ ہے جو قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے کہ:

''تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

یعنی اپنی زندگی کے کسی پہلو اور شعبہ کو بندگی رب سے محفوظ کر کے نہ رکھو۔ اپنے تمام وجود کے ساتھ، اپنی پوری ہستی کے ساتھ خدا کی غلامی واطاعت میں آجاؤ۔ زندگی کے کسی معاملے میں بھی تمہارا یہ طرز عمل نہ ہو کہ اپنے آپ کو خدا کی بندگی سے آزاد سمجھو۔ اور اس کی رہنمائی وہدایت سے مستغنی ہو کر اور اس کے مقابلہ میں خود مختار بن کر یا کسی خود مختار بنے ہوئے بندے کے پیرو یا مطیع ہو کر وہ راہ چلنے لگے جس کی ہدایت خود خدا نے نہ دی ہو۔ بندگی کا یہی وہ مفہوم ہے جسکی ہم تبلیغ کرتے ہیں اور جسے قبول کرنے کی سب لوگوں کو، مسلمانوں اور غیر مسلموں، سب کو دعوت دیتے ہیں۔

منافقت کی حقیقت:

دوسری چیز جس کی دعوت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے یا اسلام قبول کرنے والے سب لوگ منافانہ رویہ کو بی چھوکڑ دیں۔ اور اپنی زندگی کو تناقضات سے بھی پاک کریں۔ منافقانہ رویہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی جس دین کی پیروی کا دعویٰ کرے اس کے بالکل برخلاف نظام زندگی کو اپنے اوپر حاوی ومسلط پا کر راضی اور مطمئن رہے اس کو بدل کر اپنے دین کو اس کی جگہ قائم کرنے کی کوئی سعی نہ کرے بلکہ اس کے برعکس اسی فاسقانہ وباغیانہ نظام زندگی کو اپنے لیے سازگار بنانے اور اس میں اپنے لیے آرام کی جگہ پیدا کرنے کی کر کرتا رہے یا اس کو بدلنے کی کوشش بھی کرے تو اس کی غرض یہ نہ ہو کہ اس فاسقانہ نظام زندگی کی جگہ دین حق قائم ہو بلکہ صرف یہ کوشش کرے کہ ایک فاسقانہ نظام ہٹ کر دوسرا فاسقانہ نظام اس کی جگہ قائم ہو جائے۔ ہمارے نزدیک یہ طرز عمل سراسر منافقانہ ہ، اس لیے کہ ہمارا ایک نظام زندگی پر ایمان رکھنا اور دوسرے نظام زندگی میں راضی رہنا بالکل ایک دوسرے کی ضد ہی۔ مخلصانہ ایمان کا اولین تقاایہ ہے کہ جس طریق زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اسی کو ہم اپنا قانون حیات دیکھنا چاہیں اور ہماری روح اپنی آخری گہرائیوں تک ہر اس رکاوٹ کے پیش آجانے پر بے چین ومضطرب ہو جائے جو اس طریق زندگی کے مطابق جینے میں سدراہ بن رہی ہو۔ ایمان تو ایسی کسی چھوٹی رکاوٹ کو بھی برداشت کرنے کے لے تیار نہیں ہو

سکتا کجا کہ اس کا پورا کا پورا دین کسی دوسرے نظام زندگی کا تابع مہمل بن کے رہ گیا ہو اس دین کے کچھ اجزا پر عمل درآمد ہوتا بھی ہو تو صرف اس وجہ سے کہ غالب نظام زندگی نے ان کو بے ضرر سمجھ کر رعایۃً باقی رکھا ہو اور ان رعایات کے ماسوا ساری زندگی کے معاملات دین کی بنیادوں سے ہٹ کر غالب نظام زندگی کی بنیادوں پر چل رہے ہوں اور پھر بھی ایمان اپنی جگہ نہ صرف خوش اور مطمئن ہو بلکہ جو کچھ بھی سوچے اسی غلبۂ کفر کو اصول موضوعہ کے طور پر تسلیم کر کے سوچے اس قسم کا ایمان چاہے فقہی اعتبار سے معتبر ہو لیکن دینی لحاظ سے تو اس میں اور نفاق میں کوئی فرق نہیں ہے اور قرآن کی متعدد آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ حقیقت میں نفاق ہی ہے ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ بھی اپنے آپ کو بندگی رب کے اس مفہوم کے مطابق جس کی ابھی میں نے تشریح کی ہے خدائے واحد کی بندگی میں دینے کا اقرار کریں۔ ان کی زندگی اس نفاق سے پاک ہو۔ بندگی حق کے اس مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سچے دل سے یہ چاہیں کہ جو طریق زندگی، جو انون حیات، جو اصول تمدن و اخلاق و معاشرت و سیاست، جو نظام فکر و عمل اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہمیں دیا ہے، ہماری زندگی کا پورا کاروبار اسی کی پیروں میں چلے اور ہم ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے شعبہ کے اندر بھی اس نظام حق کے خلاف کسی دوسرے نظام کے تسلط کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ اب آپ خود سمجھ لیں کہ نظام باطل کے تسلط کو برداشت کرنا بھی جب کہ تقاضائے ایمان کے خلاف ہو تو اس پر راضی و مطمئن رہنا اور اسکے قیام و بقا کی سعی میں حصہ لینا یا ایک نظام باطل کی جگہ دوسرے نظام باطل کو سرفراز کرنے کی کوشش کرنا ایمان کے ساتھ کیسے میل کھا سکتا ہے۔

تناقض کی حقیقت:

اس نفاق کے بعد دوسری چیز جس کو ہم ہر پرانے اور نئے مسلمان کی زندگی سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور جس کے خارج کرنے کی ہر مدعی ایمان کو دعوت دیتے ہیں اور تناقض سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی جس چیز کا زبان سے دعویٰ کرے عمل سے اس کے خلاف ورزی کرے نیز یہ بھی تناقض ہے کہ آدمی کا اپنا عمل ایک معاملہ میں کچھ ہو اور دوسرے معاملہ میں کچھ اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اپنی پوری زندگی کو خدا کی بندگی میں دے دیا ہے تو اسے جان بوجھ کر کوئی حرکت بھی ایسی نہ کرنی چاہیے جو بندگی رب کی ضد ہو، اور اگر بشری کمزوری کی بنا پر ایسی کوئی حرکت اس سے سرزرد

ہوجائے تو اسے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے پھر بندگی رب کی طرف پلٹنا چاہیے۔ ایمان کے مقتضیات میں سے یہ بھی ایک اہم مقتضا ہے کہ پوری زندگی صبغۃ اللہ میں رنگی ہوئی ہو۔ پچرنگی اور چورنگی زندگی تو درکنار دورنگی زندگی بھی دعوائے ایمان کے ساتھ میل نہیں کھاتی۔ ہمارے نزدیک یہ بات بہروپیے پن سے کم نہیں ہے کہ ہم ایک طرف تو خدا اور آخرت اور وحی اور نبوت اور شریعت کو ماننے کا دعویٰ کریں اور دوسری طرف دنیا کی طلب میں لپکے ہوئے ان درس گاہوں کی طرف خود دوڑیں، جہاں پر انسان کو خدا سے دور کرنے والی، آخرت کو بھلا دینے والی، مادہ پرستی میں غرق کر دینے والی تعلیم دی جاتی ہو۔ ایکطرف ہم خدا کی شریعت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کریں اور دوسری طرف ان عدالتوں کے وکیل اور جج بنیں اور انہی عدالتوں کے فیصلوں پر حق اور غیر حق کے فیصلے کا دارومدار رکھیں جو شریعت الٰہی کو ایوان عدالت سے بے دخل کر کے شریعت یر الٰہی کی بنیاد پر قائم گئی ہوں ایک طرف ہم مسجد میں جا کر نمازیں پڑھیں اور دوسری طرف مسجد سے باہر نکلتے ہی اپنے گھر کی زندگی میں، اپنے لین دین میں، اپنی معاش کی فراہمی میں، اپنے شادی بیاہ میں، اپنی میراثوں کی تقسیم میں، اپنی سیاسی تحریکوں میں اور اپنے سارے دنیوی معاملات میں خدا اور اس کی شریعت کو بھول کر کہیں اپنے نفس کے قانون کی، کہیں اپنی برادری کے رواج کی، کہیں اپنی سوسائٹی کے طور طریقوں کی اور کہیں خدا سے پھرے ہوئے حکمرانوں کے قوانین کی پیروی میں کام کرنے لگیں۔ ایک طرف ہم اپنے خدا کو بار بار یقین دلائیں کہ ہم تیرے ہی بندے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف ہر اس بت کی پوجا کریں جس کے ساتھ ہمارے مفاد ہماری دلچسپیاں اور ہماری محبتیں اور آسائشیں کچھ بھی وابستگی رکھتی ہوں۔ یہ اور ایسے بے شمار تناقضات جو آج مسلمانوں کی زندگی میں پائے جاتے یں جن کے موجود ہونے سے کوئی ایسا شخص جو بینائی رکھتا ہو۔ انکار نہیں کرسکتا۔ ہمارے نزدیک وہ اصلی گھُن ہیں جو امت مسلمہ کی سیرت و اخلاق کو اور اس کے دین و ایمان کو اندر ہی اندر کھائے جاتے یں اور زندگی کے ہر پہلو میں مسلمانوں سے جن کمزوریوں کا اظہار ہو رہا ہے ان کی اصل جڑ یہی تناقضات ہیں۔ ایک مدت تک مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا جاتا رہا ہے کہ تم شہادت توحید و رسالت زبان سے ادا کرنے اور روزہ و نماز وغیرہ چند مذہبی اعمال کر لینے کے بعد خواہ کتنے ہی غیر دینی اور غیر ایمانی طرز عمل اختیار کر جاؤ۔ بہر حال نہ تمہارے اسلام پر کوئی آنچ آسکتی ہے اور نہ تمہاری نجات کو کوئی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے حتیٰ کہ اس ڈھیل کی حدود اس حد عام طور پر یہ تخیل پیدا کر دیا گیا کہ اگر ایک طرف

ایمان و اسلام کا اقرار ہو اور دوسری طرف ساری زندگی اس کی ہوتب بھی کچھ نہیں بگڑتا (ہم دوزخ میں نہیں رہیں گے لیکن چند دن) اسی چیز کا نتیجہ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے نام کے ساتھ ہر فسق کفر، معصیت و نافرمانی اور ہر ظلم و سرکشی کا جوڑ آسانی سے لگ جاتا ہے اور مسلمان مشکل ہی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ جن راہوں میں وہ اپنے اوقات، اپنی محنتیں، اپنے مال، اپنی قوتیں اور قابلیتیں اور اپنی جانیں کھپا رہے ہیں اور جن مقاصد کے پیچھے ان کی انفرادی اور اجتماعی کوششیں صرف ہو رہی ہیں وہ اکثر ان کے اس ایمان کی ضد ہیں جس کا وہ دعویٰ رکھتے ہیں۔ یہ صورت حال جب تک جاری رہے گی اسلام کے دائرہ میں نومسلموں کا داخلہ بھی کوئی مفید نتیجہ پیدا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ جو منتشر افراد اس کان نمک میں آتے جائیں گے وہ اسی طرح نمک بنتے چلے جائیں گے۔ پس ہماری دعوت کا ایک لازمی عنصر یہ ہے کہ ہم ہر مدعی ایمان کی زندگی کو ان تناقضات سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہر مومن سے یہ ہے کہ وہ حنیف ہو یکسو یک رنگ مومن و مسلم ہو، ہر اس چیز سے کٹ جائے اور نہ کٹ سکتا ہو تو پیہم کٹنے کی جدوجہد کرتا رہے جو ایمان کی ضد اور مسلمانہ طریق زندگی کے منافی ہو، اور خوب اچھی طرح مقتضیاتِ ایمان میں سے ایک ایک، تقاضے کو پورا کرنے کی پیہم سعی کرتا رہے۔

امامت میں تغیر کی ضرورت:

اب ہماری دعوت کے تیسرے نکتے کو لیجیے۔ ابھی جن دو نکات کی تشریح میں آپ کے سامنے کر چکا ہوں، یہ تیسرا نکتہ ان سے بالکل ایک منطقی نتیجے کے طور پر نکلتا ہے۔ ہمارا اپنے آپ کو بندگی رب کے حوالے کر دینا اور اس حوالگی و سپردگی میں ہمارا منافق نہ ہونا اور پھر ہمارا اپنی زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس نظام زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر، دہریت، شرک، فسق و فجور، اور بداخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے اور جس کے نقشے بنانے والے مفکرین اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کی شرائع کے قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ جب تک زمامِ کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی اور جب تک علوم و فنون، مالیات، صنعت و حرفت و تجارت، نشر و اشاعت، قانون سازی اور تنفید قانون، انتظام ملکی اور تعلقات بین الاقوامی، ہر چیز کی باگ ڈور یہ لوگ سنبھالے ہوئے رہیں گے کسی شخص کے لیے دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اور خدا

کی بندگی کو اپنا ضابطہ حیات بنا کر رہنا یہ صرف عملاً محال ہے بلکہ اپنی آئیندہ نسلوں کو اعتقاداً اسلام کا پیرو چھوڑ جانا غیر ممکن ہے اس کے علاوہ صحیح معنوں میں جو شخص بندۂ رب ہو اس پر منجملہ دوسرے فرائض کے ایک اہم ترین فرض یہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ خدا کی رضا کے مطابق دنیا کے انتظام کو فساد سے پاک کرے اور صلاح پر قائم کرے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ زمام کار صالحین کے ہاتھ میں نہ ہو۔ فساق وفجار اور خدڈا کے باغی اور شیطان کے مطیع دنیا کے امام و پیشوا اور منتظم رہیں اور پھر دنیا میں ظلم، فساد، بداخلاقی اور گمراہی کا دور دورہ نہ ہو، یہ عقل اور طرت کے خلاف ہے اور آج تجربہ ومشاہدہ سے کالشّمس فی النہار ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پس ہمارا مسلم ہونا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم دنیا کے آئمہ ضلالت کی پیشوائی ختم کر دینے اور غلبۂ کفر وشرک کو مٹا کر دین حق کو اس کی جگہ قائم کرنے کی سعی کریں۔

امامت میں انقلاب کیسے آتا ہے؟

مگر یہ تغیر محض چاہنے سے نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت بہر حال دنیا کا انتظام چاہتی ہے اور دنیا کے انتظام کے لیے کچھ صلاحیتیں اور قوتیں اور صفات درکار ہیں۔ جن کے بغیر کوئی گروہ اس انتظام کو ہاتھ میں لینے اور چلانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اگر مومنین، صالحین کا ایک منظم حب تھا ایسا موجود نہ ہو جو انتظام دنیا کو چلانے کی اہلیت رکھتا ہو تو پھر مشیتِ الٰہی غیر مومن اور یر صالح لوگوں کو اپنی دنیا کا انتظام سونپ دیتی ہے۔ لیکن اگر کوئی گروہ ایسا موجود ہو جائے جو ایمان بھی رکھتا ہو، صالح بھی ہو اور ان صفات اور صلاحیتوں اور قوتوں میں بھی کفار سے بڑھ جائے جو دنیا کا انتظام چلانے کے لیے ضروری ہیں و مشیت الٰہی نہ ظالم ہے اور نہ فساد پسند کہ پھر بھی اپنی دیا کا انتظام فساق وفجار اور کفار ہی کے ہاتھ میں رہنے دے۔ پس ہماری دعوت صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ دنیا کی زمام کار فساق وفجار کے ہاتھ سے نکل کر مومنین صالحین کے ہاتھ میں آئے بلکہ ایجاباً ہماری دعوت یہ ہے کہ اہل صلاح کا ایک ایسا گرہ منظم کیا جائے جو نہ صرف اپنے ایمان میں پختہ، نہ صرف اپنے اسلام میں مخلص یک رنگ اور نہ صرف اپنے اخلاق میں صالح و پاکیزہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ان تمام اوصاف اور قابلیتوں سے بھی آراستہ ہو جو دنیا کی کارگاہِ حیات کو بہترین طریقے پر چلانے کے لیے ضروری ہیں، اور صرف آراستہ ہی نہ ہو بلکہ موجودہ کارفرماؤں اور کارکنوں سے ان اوصاف اور قابلیتوں میں اپنے آپ کو فائق ثابت

کر دے۔

مخالف اور اس کے اسباب:

یہ ہے ہماری دعوت کا خلاصہ۔اب آپ تعجب کریں گے اگر میں آپ کو بتاؤں کہ اس دعوت کی مزاحمت اور مخالفت س سے پہلے جس گروہ کی طرف سے ہوئی ہے وہ مسلمانوں کا گروہ ہے۔اس وقت تک غیر مسلموں کی طرف سے ہمارے خلاف نہ کوئی آواز اٹھی ہے اور نہ عملاً کوئی مزاحمت ومخالفت ہوئی ہے یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کب تک یہ صورت حال رہے گی، مگر بہر حال یہ واقعہ اپنی جگہ نہایت دردناک اور افسوسناک ہے کہ اس دعوت کو سن کرناک بھول چڑھانے والے، اسے اپنے لیے خطرہ سمجھنے والے اور اس کی مزاحمت میں سب سے آگے بڑھ کر سعی کرنے والے غیر مسلم نہیں بلکہ مسلمان ہیں شاید ایسی ہی کچھ صورت حال ہوگی جس میں اہل کتاب سے فرمایا گیا تھا۔

(سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو)

ہمیں ہندوؤں سکھوں اور انگریزوں تک سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا ہے۔گر بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ ان لوگوں میں سے کسی نے ہمارے لٹریچر کو پڑھ کر یا ہمارے مدعا کو تفصیل کے ساتھ ہماری زبان سے سن کر یہ کہا ہو کہ: ''یہ حق نہیں ہے۔' یا یہ کہ اگر تم اس چیز کو قائم کرنے کی کوشش کرو گے تو ہم ایڑی سے چوٹی تک کا زور تمہاری مزاحمت میں لگا دیں گے۔متعدد غیر مسلم ہم کو ایسے بھی ملے ہیں جنوں نے بے اختیار ہو کر کہا کہ کاش یہی اسلام ہندوستان میں پیش کیا گیا ہوتا اسی کو قائم کرنے کے لے باہر سے آنے والے اور اندر سے قبول کرنے والے مسلمانوں نے کوشش کی ہوتی تو آج ہندوستان کا نقشہ یہ نہ ہوتا اس ملک کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔بعض غیر مسلموں ے ہم سے یہاں تک کہا کہ اگر فی الواقع ایسی ایک سوسائٹی موجود ہو جو پوری دیانت کے ساتھ ان ہی اصولوں پر چلے اور جس کا مرنا اور جینا سب اسی ایک مقصد کے لیے ہو تو ہمیں اس کے اندر شامل ہونے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔لیکن اس کے برعکس ہماری مخالفت میں سرگرم اور ہمارے متعلق بدگمانیاں پھیلانے اور ہم پر ہر طرح کے الزام لگانے والے اگر کسی گروہ میں سب سے پہلے اٹھے تو وہ مسلمانوں کا گروہ ہے اور ان میں بھی سب سے زیادہ یہ شرف مذہبی طبقے کے حضرات کو حاصل ہوا ہے۔پھر لطف یہ ہے کہ آج تک

کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ جس چیز کی دعوت تم لوگ دیتے ہو وہ باطل ہے۔ شاید اس دعوت پر سامنے سے حملہ ممکن ہی نہیں ہے اس لیے مجبوراً کبھی عقب سے اور کبھی دائیں پہلو سے اور کبھی بائیں جانب سے چھاپے مارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ بات تو حق ہے مگر اس کی طرف دعوت دینے والا ایسا اور ایسا ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ اس کے حق ہونے میں تو کلام نہیں مگر اس زمانے میں یہ چلنے والی چیز نہیں ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ حق تو یہی ہے مگر اس کا علم بلند کرنے کے لیے صحابہ کرام جیسے لوگ درکار ہیں اور وہ بھلا اب کہاں آ سکتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اس کے صداقت ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر مسلمان اپنی موجودہ سیاسی و معاشی پوزیشن میں اس دعوت کو اپنی واحد دعوت کیسے بنا سکتے ہیں، ایسا کریں تو ان کی دنیا تباہ ہو جائے اور تمام سیاسی اور معاشی زندگی پر غیر مسلم قابض ہو کر ان کے لیے سانس لینے تک کی جگہ نہ چھوڑیں پھر جب اس مسلمان قوم میں سے کوئی اللہ کا بندہ ایسا نکل آتا ہے جو ہماری اس دعوت کو قبول کر کے اپنی زندگی کو واقعی نفاق و تناقض سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی پوری زندگی کو بندگی رب میں ڈالنے کا تہیہ کر لیتا ہے تو سب سے پہلے اس کی مخالفت کرنے کے لیی اس کے اپنے بھائی بند، اس کے ماں باپ، اعزاء اور اقرباء برادری کے لوگ اور دوست آشنا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اچھے اچھے متقی اور دیندار آدمی بھی جن کی پیشانیوں پر نمازیں پڑھتے پڑھتے گٹے پڑ چکے ہیں اور جن کی زبانیں مذہبیت کی باتوں سے ہر وقت تر رہتی ہیں اس بات کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ ان کا بیٹا یا بھائی یا کوئی عزیز جس کا دنیوی مفاد انہیں کسی درجہ میں بھی محبوب ہو اپنے آپ کو اس خطرہ میں ڈالے۔

یہ بات کہ اس دعوت کی مخالفت سب سے پہلے مسلمانوں نے کی اور ان کے اہل دنیا نے نہیں بلکہ اہل دین نے کی، ایک بہت بڑی بیماری کا پتہ دیتی ہے جو مدتوں سے پرورش پا رہی تھی مگر ظاہر فریب کے پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ آج اگر ہم محض علمی زنگ میں اس دعوت کو پیش کرتے اور یہ نہ کہتے کہ آؤ اس چیز کو عمل میں لانے اور بالفعل قائم کرنے کی کوشش کریں تو آپ دیکھتے کہ مخالفت کے بجائے ان مزے دار علمی باتوں پر ہر طرف سے تحسین و آفرین ہی کی صدائیں بلند ہوتیں۔ بھلا کوئی مسلمان ایسا بھی ہو سکتا ہے جو یہ کہہ سکے کہ بندگی خدا کے سوا اور کسی کی ہونی چاہیے، یا یہ کہ زمامِ کار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ کفار ہی کے ہاتھ میں رہنی چاہیے۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اب تک جن چیزوں کی ہم نے دعوت دی ہے ان میں سے کوئی ایک چیز بھی

ایسی نہیں ہے جسے ہم دعوت مل کے بغیر صرف علمی حیثیت سے پیش کرتے تو مسلمانوں میں سے کوئی گروہ بلکہ کوئی فرد اس کے خلاف زبان کھولنے پر آمادہ ہوتا۔ لیکن جس چیز نے لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کیا وہ صرف یہ ہے کہ ہم ان باتوں کو فقط علمی رنگ میں ہی نہیں پیش کرتے بلکہ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ آؤ جس چیز کو از روئے حق جانتے ہو اسے عملاً پہلے اپنی زندگی میں اور پھر اپنے گردوپیش دنیا کی زندگی میں قائم وجاری کرنے کی کوشش کرو۔ یہ بعینہٖ وہی صوت حال ہے جو اس سے پہلے نبی کریم e کے ظہر کے وقت پیش آ چکی ہے۔ جو لوگ عرب جاہلیت کے لٹریچر پر نگاہ رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ نبی کریم e نے جس توحید کی دعوت دی تھی اور جن اصول اخلاق کو آپ پیش فرماتے تھے وہ عرب میں بالکل کوئی نئی چیز نہ تھے۔ اسی قسم کے مواحدانہ خیالات زمانہ جاہلیت کے متعدد شعراء اور خطیب پیش کر چکے تھے اور اسی طرح اسلامی اخلاقیات میں سے بھی بیشتر وہ تھے جن کو اہل عرب کے حکما اور خطباء اور شعراء بیان کرتے رہے تھے۔ مگر فرق جو کچھ ھا وہ یہ کہ نبی e نے ایک طرف تو باطل کی آمیزشوں سے الک کر کے خالص حق کو ایک مکمل و مرتب نظام زندگی کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اور دوسری طرف آپ نے یہ بھی چاہا جس توحید کو ہم حق کہتے ہیں اس کے مخالف عناصر کو ہم اپنی زندگی سے خارج کر دیں اور سارے نظام زندگی کو توحید کی بنیاد پر تعمیر کریں نیز جن اصول و اخلاق کو ہم معیار تسلیم کرتے ہیں ہماری پوری زندگی کا نظام بھی انہی اصولوں پر عملاً قائم ہو۔ یہی سبب تھا کہ جن باتوں کے کہنے پر زمانہ جاہلیت کے کسی خطیب کسی شاعر اور کسی حکیم کی مخالفت نہیں کی گئی بلکہ الٹا انہیں سراہا گیا۔ ان ہی باتوں کو جب نبی e نے پیش کیا تو ہر طرف سے مخالفتوں کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ لوگ اس بات کے لیے تیار نہیں تھے، کہ شرک پر جو نظام زندگی قائم تھا اسے بالکل ادھیڑ کر از سر نو توحید کی بنیادوں پر قائم کیا جائے اور اس طرح ان تمام تعصّبات اور آبائی رسموں کا، امتیازات اور حقوق، اور مناصب کا اور اعزازات وکرامات اور معاشی مفادات کا یکلخت خاتمہ ہو جائے جو صدہا برس سے عہد جاہلیت میں زندگی کی بنیاد بنے ہوئے تھے اور جن سے بعض طبقوں اور خاندانوں کی اغراض وابستہ تھیں۔ اسی طرح لوگ اس بات کے لیے بھی تیار نہیں تھے، کہ اخلاق فاسدہ کے رواج سے جو آسائشیں اور لذتیں اور منفعتیں اور آزادیاں ان کو حاصل ہیں ان سے دست بردار ہو جائیں ار اخلاق صالح کی بندشوں میں اپنے آپ کو خود کسوالیں۔ یہ معاملہ صرف نبی e ہی کے ساتھ پیش نہیں آیا بلکہ حضور e سے پہلے جتنے نبی گزرے ہیں ان کی مخالفت بھی زیادہ تر اسی بات پر ہوئی ہے۔ اگر انبیاء

صرف علمی اور ادبی حیثیت سے توحید اور آخرت اور اخلاق فاضلہ کا ذکر کرتے تو ان کے زمانے کی سوسائٹیاں اسی طرح ان کو برداشت کرتیں بلکہ سرآنکھوں بٹھاتیں جس طرح انہوں نے مختلف قسم کے شاعروں اور فلسفیوں اور ادیبوں کو سرآنکھوں پر بٹھایا۔لیکن نبی کا مطالبہ ان باتوں کے ساتھ یہ بھی تھا کہ (الشعراء:۱۵۰) (اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) اور (الشعرا:۱۵۱) حد سے گزرنے والوں کی اطاعت نہ کرو، اور (الاعراف:۳)

(جو ہدایت تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کے سوا دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو) اور پھر انبیاء نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ باک مستقل تحریک اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے جاری کی اور اپنے پیروؤں کے جتھے منظم کر کے عملاً نظام تہذیب وتمدن واخلاق کو اپنے نصب العین کے مطابق بدل ڈالنے کی جدوجہد شروع کر دی۔بس یہی وہ نقطہ تھا جہاں سے ان لوگوں کی مخالفت کا آغاز ہوا جن کے مفاد نظام جاہلیت سے کلی یا جزئی طور پر وابستہ تھے۔اور آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ٹھیک یہی نقطہ ہے جہاں سے ہماری مخالفت کی ابتداء ہوئی ہے۔مسلمانوں نے ایک طویل مدت سے اپنی زندگی کی عمارت ان بہت سی مصالحتوں پر قائم رکھی ہے جو نظام جاہلیت کے اور ان کے درمیان طے ہو چکے ہیں۔یہ مصالحتیں صرف دنیادارانہ ہی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اچھی خاصی مذہبی نوعیت بھی اختیار کر لی ہے۔بڑے بڑے مقدس لوگ جن کے تقدس کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں۔ان مصالحتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔نظام باطل کی وابستگی کے ساتھ تقویٰ اور عبادت کے چند مظاہر اس قدر کافی قرار دیئے جا چکے ہیں کہ بکثرت لوگ انہی محدود پرہیزگاریوں اور عبادت گزاریوں پر اپنی نجات کی طرف سے مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔بہت سے ارباب فضل اور مقامات عالیہ ایسے موجود ہیں جن کی بزرگی اور روحانیت، اور جن کے اونچے مراتب، نظام جاہلیت اور فسق وفجور او بداعتقادیوں اور ضلالتوں کی مذمت کر لینا اور عہد صحابہ کے نقشے بڑی طلاقت لسانی کے ساتھ اپنے وعظوں اور اپنی تحریروں میں کھینچ دینا اسلام کا حق ادا کرنے کے لیے بالکل کافی ہو چکا ہے اور اس کے بعد ان حضرات کے لیی بالکل حلال ہے کہ خود اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اپنے متعلقین اور اپنے پیروؤں کو اسی نظام باطل کی خدمت میں لگا دیں جس کے لائے ہوئے سیلاب ضلالت وگمراہی اور طوفان فسق وفجور کی یہ دن رات مذمت کرتے رہتے ہیں۔ان حالات میں جب ہم دین حق اور اس کے مطالبات اور مقتضیات کو محض علمی حیثیت ہی سے پیش کرنے پر اکتفا

نہیں کرتے بلکہ یہ دعوت بھی دیتے ہیں کہ غلط نظام کے ساتھ وہ تمام مصالحتیں ختم کر دو جو تم نے کر رکھی ہیں اور کامل یکسوئی و یکرنگی کے ساتھ حق کی پیروی اختیار کرو اور پھر اس باطل کی جگہ اس حق کو قائم کرنے کے لیے جان و مال اور وقت و محنت کی قربانی دو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ تو ظاہر ہے کہ یہ قصور ایسا نہیں ہے جسے معاف کیا جاسکے۔ اگر سیدھی طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی دین کے مطالبات اور مقتضیات یہی ہیں اور حقیقت میں حنیفیت اسی کو کہتے ہیں۔ اور اصل بات یہی ہے کہ نظامِ باطل کے ساتھ مومن کا تعلق مصالحت کا نہیں بلکہ نزاع و کشمکش کا ہونا چاہیے، تو پھر دو صورتوں سے ایک صورت کا اختیار کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، یا تو اپنے مفاد کی قربانی گوارا کر کے اس جدوجہد میں حصہ لیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بہت جاں گسل بات ہے، یا پھر اعتراف کر لیا جائے کہ حق تو یہی ہے مگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ لیکن یہ اعتراف بھی مشکل ہے کیونکہ ایسا کرنے سے صرف یہی نہیں کہ نجات کی وہ گارنٹی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ جس کے اطمینان پر اب تک زندگی بسر کی جا رہی تھی بلکہ اس طرح وہ مقام تقدس بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے جو مذہبی و روحانی حیثیت سے ان حضرات کو حاصل رہا ہے اور یہ چیز بھی بہر حال ٹھنڈے پیٹوں گوارا نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے ایک بڑے گروہ نے مجبوراً یہ تیسری راہ اختیار کی ہے کہ صاف صاف ہماری اس دعوت کو باطل تو نہ کہا جائے کیونکہ باطل کہنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن صاف صاف اس کے حق ہونے کا ابھی اعتراف نہ کیا جائے۔ اور اگر کہیں اس کی حقانیت کا اقرار کرنا پڑ ہی جائے تو پھر اصول کو چھوڑ کر کسی شخص یا اشخاص کو بدگمانیوں اور الزامات کا ہدف بنایا جائے تاکہ خود اپنے ہی مانے ہوئے حق کا ساتھ نہ دینے کے لیے وجہ جواز پیدا ہو جائے...... کاش یہ حضرات کبھی اس بات پر غور فرماتے کہ جو حجتیں آج بندوں کا منہ بند کرنے کے لیے وہ پیش کرتے ہیں کل قیامت کے روز کیا وہ خدا کا منہ بھی بند کر دیں گی؟

ہمارا طریقِ کار:

اب میں آپ کے سامنے مختصر طور پر اس ''طریق کار'' کو پیش کروں گا جو ہم نے اپنی اس دعوت کے لیے اختیار کیا ہے۔ ہماری دعوت کی طرح ہمارا یہ طریقِ کار بھی دراصل قرآن اور انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے ماخوذ ہے۔ جو لوگ ہماری دعوت کو قبول کرتے ہیں ان سے ہمارا اولین مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو عملاً اور بالکلیہ بندگی رب میں دے دو اور اپنے عمل سے اپنے اخلاص اور اپنی

یکسوئی کا ثبوت دو اور ان تمام چیزوں سے اپنی زندگی کو پاک کرنے کی کوشش کرو جو تمہارے ایمان کی ضد ہیں۔ یہیں سے ان کے اخلاق و سیرت کی تعمیر اور ان کی آزمائش کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں نے بڑی بڑی اُمنگوں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی انہیں اپنے اونچے اونچے خوابوں کی عمارتیں اپنے ہاتھ سے ڈھا دینی پڑتی ہیں اور اس زندگی میں تو درکنار اپنی دوسری تیسری پشت میں بھی دور دور نظر نہیں آتے۔ جن لوگوں کی معاشی خوشحالی کسی مرہونہ زمین یا کسی مغصوبہ جائیداد یا کسی ایسی میراث پر قائم تھی جس میں حقداروں کے حقوق مارے گئے تھے۔ انہیں بسا اوقات دامن جھاڑ کر اس خوشحالی سے کنارہ کش ہو جانا پڑتا ہے۔ صرف اس لیے کہ جس خدا کو انہوں نے اپنا آقا تسلیم کیا ہے اس کے منشاء کے خلاف کسی کا مال کھانا ان کے ایمان کے منافی ہے۔ جن لوگوں کے وسائل زندگی غیر شرعی تھے یا نظام باطل سے وابستہ تھے ان کو ترقیوں کے خواب دیکھنا تو درکنار موجودہ وسائل سے حاصل کی ہوئی روٹی کا بھی ایک ایک ٹکڑا حلق میں اُتارنا ناگوار ہونے لگتا ہے۔ اور وہ ان وسائل کو پاک تر وسائل سے خواہ وہ حقیر ترین ہی کیوں نہ ہوں، بدلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں۔ پھر جیسا کہ ابھی میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں، اس مسلک کو عملاً اختیار کرتے ہی آدمی کا قریب ترین ماحول اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس کے اپنے والدین، اس کے بھائی بند، اس کی بیوی اور بچے اور اس کے جگری دوست سب سے پہلے اس کے ایمان سے قوت آزمائی کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس مسلک کا پہلا اثر ظاہر ہوتے ہی آدمی کا اپنا گہوارہ جس میں وہ نازوں سے پالا گیا تھا اس کے لیے زنبور خانہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ ہے وہ ابتدائی تربیت گاہ جو صالح و مخلص اور قابل اعتماد سیرۃ کے کارکن فراہم کرنے کے لیے قدرتِ الٰہی نے ہمارے لیے خود بخود پیدا کر دی ہے۔ ان ابتدائی آزمائشوں میں جو لوگ ناکام ہو جاتے ہیں وہ آپ سے چھٹ کر الگ ہو جاتے ہیں اور ہمیں ان کا چھانٹ پھینکنے کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑتی۔ اور جو لوگ ان مس پورے اترتے ہیں وہ ثابت کر دیتے ہیں کہ ان کے اندر کم از کم اتنا اخلاص، اتنی یکسوئی، اتنا صبر اور عزم اتنی محبت حق اور انی مضبوط، سیرت ضرور موجود ہے جو خدا کی راہ میں قدم رکھنے اور پہلے مرحلہ امتحان سے کامیاب گزر جانے کے لیے ضروری ہے۔ اس مرحلے کے کامیاب لوگوں کو ہم نسبتاً زیادہ بھروسے اور اطمینان کے ساتھ لے کر دوسرے مرحلے کی ظرف پیش قدمی کر سکتے ہیں جو آگے آنے والا ہے اور جسمیں اس سے زیادہ آزمائشیں پیش آنے والی ہیں۔ وہ آزمائشیں پھر ایک دوسری بھٹی تیار کریں گی جو اسی طرح کھوٹے سکوں کو جھانٹ کر پھینک

دے گی اور زر خال کو اپنی گود میں رکھ لے گی۔ جہاں تک ہمارا علم ساتھ دیتا ہے، ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی معاون سے کارآمد عناصر کو چھانٹنے اور ان کو زیادہ کارآمد بنانے کے لیے یہی طریقہ پہلے بھی اختیار کیا جاتا رہا ہے اور جو تقویٰ ان بھٹیوں میں تیار ہوتا ہے، چاہے وہ فقہی ناپ تول میں پورا نہ اترے، اور خانقاہی معیاروں پر بھی ناقص نکلے، مگر صرف اسی طرز سے تیار کیے ہوئے تقویٰ میں یہ طاقت ہو سکتی ہے۔ کہ انتظام دنیا کی بھائی ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھال سکے اور ان عظیم الشان امانتوں کا بار اُٹھا سکے جن کے ایک قلیل سے قلیل جز کا وزن بھی خانقاہی تقویٰ برداشت سے باہر ہے۔

اس کے ساتھ دوسری چیز جو ہم اپنے ارکان پر لازم کرتے ہیں یہ ہے کہ جس حق کی روشنی انہوں نے پائی ہے اس سے وہ اپنے قریبی ماحول کو اور ان سب لوگوں کو جن سے ان کا قرابت یا دوستی یا ہمسائیگی یا لین دین کا تعلق ہے، روشناس کرانے کی کوشش کریں اور انہیں اس کی طرف آنے کی دعوت دیں۔ یہاں پھر آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس تبلیغ کی وجہ سے مبلغ کی اپنی زندگی درست ہوتیہ ے۔ کیونکہ یہ کام شروع کرتے ہی بے شمار خوردبین اور دیدبان اسکی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور مبلغ کی زندگی میں اگر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے ایمان اور اس کی دعوت کے منافی موجود ہو تو یہ مفت کے محتسب اسے نمایاں کر کے مبلغ کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور تازیانے لگا لگا کر اسے مجبور کرتے ہیں کہ اپنی زندگی کو اس سے پاک کرے۔ اگر مبلغ فی الوقع اس دعوت پر سچے دل سے ایمان لایا ہو تو وہ ان تنقیدوں پر جھنجلانے اور تاویلوں سے اپنے عمل کی غلطی کو چھپانے کی کوشش نہ کرے گا بلکہ ان لوگوں کی خدمات سے فائدہ اُٹھدائے گا جو مخالفت کی نیت ہی سے سہی مگر بہرحال اس کی اصلاح میں بغیر کسی معاوضے کے سعی و محنت صرف کرتے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ جس برتن کو بیسیوں ہاتھ مانجھنے میں لگ جائیں اور مانجھتے ہی چلے جائیں وہ چاہے کتنا ہی کثیف ہو آخر کار مجلّا و مصفا ہو کر رہے گا۔

پھر اس تبلیغ سے ہمارے کارکنوں میں بہت سے ان اوصاف کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے جنہیں آگے چل کر دوسرے میدانوں میں کسی اور شکل سے ہم کو استعمال کرنا ہے۔ جب مبلغ کو طرح طرح کے دل شکن حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ کہیں اس کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، کہیں اس پر طعنے اور آوازے کسے جاتے ہیں۔ کہیں گالیوں اور دوسری جہالتوں سے اس کی تواضع کی جاتی ہے، کہیں اس پر الزامات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے، کہیں اس کو فتنوں میں اُلجھانے کی نت نئی تدبیریں کی جاتی ہیں۔

کہیں اُسے گھر سے نکال دیا جاتا ہے، میراث سے محروم کیا جاتا ہے دوستیاں اور رشتہ داریاں اس سے منقطع کر لی جاتی ہیں اور اس کے لیے اپنے ماحول میں سانس لینا تک دشوار کر دیا جاتا ہے، تو ان حالات میں جو کارکن نہ ہمت ہارے نہ حق سے پھرے، نہ باطل پرستوں کے آگے سپر ڈالے نہ مشتعل ہر کر اپنے دماغ کا توازن کھوئے۔ بلکہ اس کے برعکس حکمت اور تدبر اور ثابت قدمی اور راست بازی اور پرہیزگاری اور ایک سچے حق پرست کی سی ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم اور اپنے ماحول کی اصلاح میں پیہم کوشاں رہے۔ اس کے اندر ان اوصاف عالیہ کا پیدا ہونا اور نشوونما پانا یقینی ہے جو آگے چل کر ہماری اس جدوجہد کے دوسرے مرحلوں میں اس سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر درکار ہوں گا۔

اس تبلیغ کے سلسلے میں ہم نے وہی طریق کار اپنے کارکنوں کو سکھانے کی کوشش کی ہے جو قرآن مجید میں تعلیم فرمایا گیا ہے، یعنی یہ کہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ خدا کے راستے کی طرف دعوت دیں۔ تدریج اور فطری ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوگوں کے سامنے دین کے اولین بنیادی اصولوں کو اور پھر، رفتہ رفتہ ان کے مقتضیات اور لوازم کو پیش کریں، کسی کو اس کی قوتِ ہضم سے بڑھ کر خوراک دینے کی کوشش نہ کریں، بنیادی خرابیوں کو رفع کیے بغیر ظاہری برائیوں اور بیرونی شاخوں کو چھانٹنے پر اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ غفلت اور اعتقادی و علمی گمراہیوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کے ساتھ نفرت و کراہیت کا برتاؤ کرنے کے بجائے ایک طبیعت کی سی ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ ان کے علاج کی فکر کریں، گالیوں اور پتھروں کے جواب میں دعائے خیر کرنا سیکھیں، ظلم اور ایذاء رسانی پر صبر کریں، جاہلوں سے بحثوں اور مناظروں اور نفسانی مجادلوں میں نہ الجھیں، لغو اور بیہودہ باتوں سے عالی ظرف اور شریف لوگوں کی طرح درگزر کریں، جو لوگ حق سے مستغنی بنے ہوئے ہوں ان کے پیچھے پڑنے کے بجائے ان لوگوں کی طرف توجہ کریں جن کے اندر کچھ طلب حق پائی جاتی ہو خواہ وہ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی ناقابل توجہ سمجھے جاتے ہوں اور اپنی تمام سعی و جہد میں ریا اور نمود و نمائش سے بچیں، اپنے کارناموں کو گنانے اور فخر کے ساتھ ان کا مظاہرہ کرنے اور لوگوں کی توجہات اپنی طرف کھینچنے کی ذرا برابر کوشش نہ کریں بلکہ جو کچھ کریں اس نیت اور اس یقین و اطمینان کے لیے ہے اور خدا بہر حال ان کی خدمات سے واقف ہے اور ان خدمات کی قدر بھی اسی کے ہاں ہونی ہے خواہ خلق اس سے واقف ہو یا نہ ہو اور خلق کی طرف سے سزا ملے یا جزا۔ یہ طریق کار

غیر معمولی صبر اور حلم اور لگا تار محنت چاہتا ہے۔اس میں ایک مدت دراز تک مسلسل کام کرنے کے بعد بھی شاندار نتائج کی وہ ہری بھری فصل لہلہاتی نظر نہیں آتی جو سطحی اور نمائشی کام شروع کرتے ہی دوسرے دن سے تماشائیوں اور مداریوں کا دل لبھانا شروع کر دیتی ہے۔اس میں ایک طرف خود کارکن کے اندر وہ گہری بصیرت، وہ سنجیدگی، وہ پختہ کاری اور وہ معاملہ فہمی پیدا ہوتی ہے جو اس تحریک کے زیادہ صبر آزما اور زیادہ محنت وحکمت چاہنے والے مراحل میں درکار ہونے والی ہے۔ اور دوسری طرفا سے سے تحریک اگر چہ آہستہ رفتار سے چلتی ہے مگر اس کا ایک ایک قدم مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے صرف ایسے ہی طریق تبلیغ سے سوسائٹی کا مکھن نکال کر تحریک میں جذب کیا جا سکتا ہے۔ اوچھے اور سطحی لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے کے بجائے اس طریق تبلیغ سے سوسائٹی کے صالح ترین عناصر تحریک کی طرف کھنچتے ہیں اور سنجیدہ کارکن تحریک کو میسر آتے ہیں جن میں سے ایک ایک آدمی کی شرکت ہزار بوالفضولوں کے انبوہ سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

ہمارے طریق کار کا ایک بڑا اہم جز یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو نظام باطل کی قانونی اور عدالتی حفاظت سے خود بخود محروم کر لیا(۱) (واضح رہے کہ یہ پالیسی غیر منقسم ہندوستان میں تھی جبکہ ایک لادینی حکومت قائم تھی) ہے اور علی الاعلان دنیا کو بتا دیا ہے کہ ہم اپنے انسانی حقوق، اپنے مال وجان اور عزت وآبرو، کسی چیز کی عصمت بھی قائم رکھنے کے لیے اس نظام کی مدد حاصل کرنا نہیں چاہتے جس کو ہم باطل سمجھتے ہیں۔لیکن اس چیز کو ہم نے تمام ارکان پر لازم نہیں کیا ہے۔بلکہ ان کے سامنے ایک بلند معیار رکھ دینے کے بعد ان کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہیں تو اس معیار کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ جائیں ورنہ حالات کی مجبوریوں سے شکست کھا کر جس قدر پستی میں گرنا چاہیں گرتے چلے جائیں البتہ پستی کی ایک حد ہم نے مقرر کر دی ہے کہ اس سے گر جانے والے کو ہم اپنی جماعت میں نہ رکھیں گے۔یعنی ایسا شخص جو جھوٹا مقدمہ بنائے، یا جھوٹی شہادت دے، یا ایسی مقدمہ بازی میں الجھے جس کے لیے کسی مجبوری کا عذر نہ پیش کیا جا سکے۔بلکہ وہ سراسر منفعت طلبی یا نفسانیت کی تسکین یا دوستی اور رشتہ کی عصبیت ہی پر مبنی ہو، ہماری جماعت میں جگہ نہیں پا سکتا۔

بظاہر لوگ ہمارے اس طریق کار کی حکمتوں کو جو ہم نے قانون وعدالت کے معاملے میں اختیار کیا ہے پوری طرح نہیں سمجھتے اس لیے وہ طرح طرح ے سوالات ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔مگر فی الحقیقت اس کے بے شمار فائدے ہیں۔اسکا اولین فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنا ایک با اصول

جماعت ہونا اپنے عمل سے اور ایسے عمل سے ثابت کر دیتے ہیں جو محض تفریحی نوعیت ہی نہیں رکھتا بلکہ صریح طور پر نہایت تلخ اور انتہائی کڑی آزمائشیں اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی کو انسانی زندگی کے لیے قانون بنانے کا حق نہیں ہے، اور جب ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حاکمیت صرف خدا کی حق ہے اور خدا کی اطاعت اور اس کے قانون کی پابندی کے بغیر کوئی زمین میں حکم چلانے کا مجاز نہیں ہے اور جب ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو قانون الٰہی کی سند کے بغیر معاملات انسانی کا فیصلہ کرے وہ کافر اور فاسق اور ظالم ہے تو ہمارے اس عقیدے اور ہمارے اس دعوے سے خود بخود یہ بات لازم آجاتی ہے کہ ہم اپنے حقوق کی بنیاد کسی غیر الٰہی کی سند کے بغیر معاملات انسانی کا فیصلہ کرے وہ کافر اور فاسق اور ظالم ہے تو ہمارے اس عقیدے اور ہمارے اس دعوے سے خود بخود یہ بات لازم آجاتی ہے کہ ہم اپنے حقوق کی بنیاد کسی غیر الٰہی قانون پر نہ رکھیں اور حق اور غیر حق کا فیصلہ کسی ایسے حاکم کی حکومت پر نہ چھوڑیں جس کو ہم باطل سمجھتے ہیں۔ اپنے عقیدے کے اس تقاضے کو اگر ہم سخت سے سخت نقصانات اور انتہائی خطرات کے مقابلے میں بھی پورا کر کے دکھا دیں تو یہ ہماری راستی اور ہماری مضبوطی سیرت اور ہمارے عقیدے اور عمل کی مطابقت کا ایسا بین ثبوت ہوگا جس سے بڑھ کر کسی دوسرے ثبوت کی حاجت نہیں رہتی۔ اور اگر کسی نفع کی امید یا کسی نقصان کا خطرہ یا کسی ظلم وستم کی چوٹ ہ کو مجبور کر دے کہ ہم اپنے عقیدے کے خلاف کام کر گزریں تو یہ ہماری کمزوری کا اور ہماری سیرۃ کے بودے پن کا بھی ایک نمایاں ترین ثبوت ہوگا جس کے بعد کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت نہ رہے گی۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اپنے ارکان کی پختگی اور ان کے قابل اعتماد یا ناقابل اعتماد ہونے کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارے پاس یہ ایک ایسی کسوٹی ہوگی جس سے ہم بآسانی یہ معلوم کرتیں رہیں گے کہ ہم میں سے کون لوگ کتنے پختہ ہیں اور کس سے کس قسم کی آزمائش میں ثابت قدم رہنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

اس کا تیسرا اور عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ ہمارے ارکان یہ مسلک اختیار کرنے کے بعد آپ سے آپ اس بات پر مجبور ہو جائیں گے کہ سوسائٹی کے ساتھ اپنے تعلقات کو قانون کی بنیادوں پر قائم کرنے کے بجائے اخلاق کی بنیادوں پر قائم کریں۔ ان کو اپنا اخلاقی معیار کو اتنا بلند کرنا پڑے گا، اپنے آپ کو اپنے ماحول میں اس قدر راست باز، اتنا متدین، اتنا مین، اتنا خدا ترس اور اس قدر خیر

مجسم بنانا پڑے گا کہ لوگ خود بخود ان کے حقوق، ان کی عزت اور ان کی جان و مال کا احترام کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کیونکہ اس اخلاقی تحفظ کے سوا ان کے لیے دنیا میں اور کوئی تحفظ نہ ہوگا اور قانونی تحفظ سے محروم ہونے اور پھر اخلاقی تحفظ بھی حاصل نہ کرنے کی صورت میں ان کی حیثیت دنیا میں بالکل ایسی ہو کر رہ جائے گی۔ جیسے جنگل میں ایک بکری بھیڑیوں کے درمیان رہتی ہو۔

اس کا چوتھا فائدہ یہ ہے اور یہ بھی کچھ اہم نہیں ہے کہ ہم اس طرح اپنے آپ کو اور اپنے مفاد اور حقوق کو خطرے میں ڈال کر موجودہ سوسائٹی کی اخلاقی حالت کو بالکل برہنہ کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیں گے۔ جب یہ لوگ جاننے کے بعد کہ ہم پولیس اور عدالت سے اپنی حفاظت کے لیے کوئی مدد لینے والے نہیں ہیں، ہمارے حقوق پر علی الاعلان ڈاکے ماریں گے تو یہ اس بات کا نمایاں ترین ثبوت ہوگا کہ ہمارے ملک کی اور ہماری سوسائٹی کی اخلاقی حالت کس قدر کھوکھلی ہے، کتنے آدمی ہیں جو صرف اس وجہ سے شریف بنے ہوئے ہیں کہ قانون نے ان کو شریف بنا رہنے پر مجبور کر رکھا ہے، کتنے آدمی ہیں جو ہر قسم کی خیانت اور بے ایمان کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ دنیا میں کوئی ان پر گرفت کرنے والا نہیں ہے۔ کتنے آدمی ہیں جنہوں نے مذہب اور اخلاق اور انسانیت کے جھوٹے لبادے اوڑھ رکھے ہیں حالانکہ اگر موقع میسر آ جائے اور کوئی رکاوٹ موجود نہ ہو تو ان سے بدترین بداخلاقی اور لامذہبیت اور حیوانیت کا صدور نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ یہ اخلاقی ناسور جو چھپا ہوا ہے اور اندر ہی اندر ہماری قومی سیرت کو گلا اور سڑ رہا ہے ہم اس کو اعلیٰ رؤس الاشہاد بے پردہ کر کے رکھ دیں گے تاکہ ہمارے ملک کا اجتماعی ضمیر چونک پڑے اور اسے ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو کہ جس مرض سے وہ اب تک غفلت برت رہا ہے وہ کتنی دور پہنچ چکا ہے۔

صاحبو! اپنی دعوت اور اپنے طریق کار کی مختصر تشریح میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ آپ اس کو جانچیں اور پرکھیں اور اس پر کڑی سے کڑی تنقید کریں اور دیکھیں کہ ہم کس چیز کی طرف بلا رہے ہیں، اور بلانے کے لیے ہم نے جو ڈھنگ اختیار کیا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے، کس حد تک خدا اور رسولؐ کی تعلیمات کے مطابق ہے، کس حد تک موجودہ انفرادی و اجتماعی امراض کا صحیح علاج ہے اور کس حد تک اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ہم اپنے آخری مقصود یعنی لکمۃ اللہ کے بلند اور کلمات باطلہ کے پست ہو جانے کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اب میں ان شبہات و اعتراضات پر کچھ عرض کر دوں گا جو اسی اجتماع کے دوران میں بعض رفقاء اور ہمدردوں کے ذریعے سے مجھ تک

پہنچائے گئے ہیں۔

علماء اور مشائخ کی آڑ:

ایک اعتراض جو پہلے بھی بار بار سن چکا ہوں اور آج بھی وہ میرے پاس تحریری شکل میں آیا ہے، یہ ہے کہ ایسے بڑے بڑے علماء اور پیشوایانِ دین (جن کے کچھ نام بھی گنائے گئے ہیں) کیا دین سے اس قدر ناواقف تھے کہ نہ صرف یہ کہ خود انہوں نے دین کے ان تقاضوں کو جو تم بیان کرتے ہو نہیں سمجھا اور پورا کرنے کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ تمہارے بیان کرنے کے بعد بھی انہوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور نہ تمہارے ساتھ تعاون کرنا قبول کیا؟ کیا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سب دین سے ناواقف ہے؟ یا اس بات کا کہ تم نے خود دین کے نام سے ایک ایسی چیز پیش کی ہے جو مقتضیاتِ دین میں سے نہیں ہے؟'' اس سوال کا بہت مختصر جواب میرے پاس یہ ہے کہ میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن اور سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اس لیے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لیی کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے، یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہے ہیں بندہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہو کہ قرآن مجید کیا کہتا ہ؟ اور رسول e نے کیا کیا؟ اسی ذریعہ معلومات کی طرف میں آپ لوگوں کو بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ یہ دیکھیے کہ جس چیز کی طرف میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں اور جو طریق کار اس کے لے پیش کر رہا ہوں آیا قرآن کی دعوت وہی ہ اور انبیا ٔ علیہم السلام کا طریق کار وہی رہا ہے یا نہیں۔ اگر قرآن وسنت سے یہ بات ثابت ہو جئے اور آپ کے نزدیک قرآن وسنت ہی اصل ذریعہ ہدایت ہوں تو میری بات مانئے اور میرے ساتھ آ جایئے اور اگر اس دعوت اور اس طریق کار میں کوئی چیز قرآن وسنت سے ہٹی ہوئی ہو تو بے تکلف اسے ظاہر کر دیجئے، جس وقت مجھ پر اور میرے رفقاء پر یہ منکشف ہوگا کہ ہم کہیں بال برابر بھی قرآن وسنت سے ہٹے ہیں تو آپ انشاء اللہ دیکھ لیں گے کہ ہم حق کی طرف رجوع کرنے میں ایک لمحے کے لیے بھی تامل کرنے والے نہیں ہیں لیکن اگر آپ حق و باطل کا فیصلہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول e کی سنت کی بجائے اشخاص پر رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو پورا اختیار ہے کہ آپ اپنے آپ کو اور مستقبل کو اشخاص ہی کے حوالے کر دیجئے اور خدا کے یہاں بھی یہی جواب دیجیے گا کہ ہم نے اپنا

دین تیری کتاب اور تیرے رسول e کی سنت کی بجائے فلاں اور فلاں لوگوں کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ جواب دہی اگر آپ کو خدا کے ہاں بچا سکتی ہے تو اسی پر اطمینان سے کم کرتے رہیے۔

زہد کا طعنہ:

ایک اور اعتراض جس کے متعلق مجھے لکھا گیا ہے کہ ایک مخلص ہمدرد نے اسے پیش کیا ہے کہ تمہاری جماعت محض چند زہاد اور تارکین دنیا کی ایک جماعت ہے جو دنیا کے معاملات سے بے تعلق ہو کر ایک طرف بیٹھ گئی ہے اور جسے سیاسیات حاضرہ سے کوئی بحث نہیں ہے، درانحالیکہ مسلمانوں کو حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ بغیر ایک لمحہ ضائع کیے ان سیاسی مسائل کو حل کریں جن کے حل پر پوری قوم کے مستقبل کا انحصار ہے اور صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی مجبور ہیں کہ سب سے پہلے اپنے ملک کے سیاسی مستقبل کی فکر کریں کیونکہ اسی پر ان کی فلاح کا مدار ہے، لہٰذا اس ملک میں جو لوگ بھی زندگی کے عملی مسائل سے دلچسپی و تعلق رکھتے ہوں وہ تو تمہاری طرف توجہ نہیں کر سکتے البتہ کچھ گوشہ نشینوں اور یہ پسند لوگ جو مذہبی ذہنیت رکھتے ہوں تمہیں ضرور سن جائیں گے۔'' یہ اعتراض دراصل اس سطح بینی کا نتیجہ ہے جس سے ہمارے آج کل کے سیاست کار حضرات معاملات کو دیکھنے اور سمجھنے میں کام لے رہے ہیں۔ یہ لوگ محض سیاسی اشکال اور صورتوں کے ردوبدل کو دیکھتے ہیں اور ان ہی میں مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں لیکن سیاست کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہوتی ہے ان تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی۔

آپ کے موجودہ سیاسی مسائل جن کی فکر میں میں آپ لوگ آج کل الجھے ہوئے ہیں کس چیز کے پیدا کردہ ہیں؟ صرف اس چیز کے کہ جن اخلاق یا وراعتقادی وفکری اور تہذیبی و تمدنی بنیادوں پر اس ملک کی سوسائٹی قائم تھی وہ اتنی کمزور ثابت ہوئیں کہ ایک دوسری قوم اگرچہ وہ نہایت ہی گمراہ اور نہایت ہی غلط کار تھی۔ مگر بہرحال اپنے اخلاقی اوصاف اپنی تہذیبی و تمدنی طاقت اور اپنی عملی قابلیتوں کے لحاظ سے وہ آپ سے اتنی زیادہ برتر ثابت ہوئی کہ ہزاروں میل دور سے آ کر اس نے آپ کو اپنا محکوم بنالیا۔ پھر آپ اپنی مدت ہائے دراز کی غفلتوں اور کمزوریوں کی وجہ سے اس حد تک گرے کہ خود اس محکومی کے اندر بھی آپ کی ہمسائیہ قومیں آپ کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہو گئیں اور آپ کے لیے یہ سوال پیدا ہو گیا کہ اپنے آپ کو پہلے کس سے بچائیں، گھر والے سے یا باہر والے سے؟ یہ ہے آپ

کے تمام موجودہ سیاسی مسائل کا خلاصہ، اوران مسائل کو آپ بھی اور آپ کی ہمسایہ وسری ہندوستانی قومیں بھیصرف اس طرح حل کرنا چاہتی ہیں کہ ملک کا سیاسی نظام جس شکل پر قائم ہے اس میں بس کچھ اوپری ردوبدل ہوجائے میں اس سیاست اوراس سیاسی طریق کار کو بالکل مہمل سمجھتا ہوں اوراس میں اپنا وقت دنیا میں جو سیاسی مسائل اس وقت درپیش ہیں ان کا خلاصہ بھی میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ انسان کو جو حیثیت دنیا یں فی الواقع حاصل نہیں تھی۔ اسے خواہ مخواہ اپنی حیثیت بنا لینے پر اس نے اصرار کیا اور اپنے خلاق، اپنی تہذیب، اپنے تمدن، اپنی معیشت اور اپنی سیاست کی بنیاد خدا سے خود مختاری پر رکھ دی جس کا انجام آج ایک عظیم الشان فساد اور ایک زبردست طوفان فسق و فجور کی شکلمیں رونما ہورہا ہے۔ اس انجم کو انتظم دنیا کی محض ظاہری شکلوں کے ردوبدل سے دور کرن یکے لیے جو کوششیں آج کی جارہی ہیں انہی کا نام آج ''سیاست'' ہے اور میرے نزدیک بلکہ فی الحقیقت اسلام سے جن حقیقتوں کو سمجھا ہے ان کی بنا پر میرے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کی اور ہندوستان کے سارے باشندوں کی اور تمام دنیائے مسلمین اور دنیائے غیر مسلمین کیسیاست کا حل صرف یہ ہے کہ ہم سب خدا کی بندگی اختیار کریں، اس کے قانون کو اپنا قانونِ حیات تسلیم کریں اور انتظام دنیا کی زمامِ اختیار فساق وفجار کے بجائے عباداللہ الصالحین کے ہاتھ میں ہو۔ یہ سیاست اگر آپ کو اپیل نہیں کرتی اور آپ کچھ دوسری سیاست بازیوں سے اپنے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کا راستہ الگ ہے اور میرا راستہ الگ۔ جایئے اور جن جن طریقوں سے اپنے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں حل کر کے دیکھ لیجئے۔ مگر میں اور میرے رفقاء علیٰ وجہ البصیرت جس چیز میں اپنی قوم کی، اپنے ملک کی اور ساری دنیا کی فلاں دیکھتے ہیں۔ اسپیر ہم اپنی ساری کوششیں صرف کرتے رہیں گے۔ اگر دنیا کے لوگ ہماری باتوں کی طرف توجہ کریں گے تو ان کے اپنے لیے بھلا ہے اور نہ کریں گے تو اپنا کچھ بگاڑیں گ۔ ہمارا کچھ نقصان نہ کرسکیں گے۔

رہی یہ غلط فہمی کہ ہم زاہدوں اور گوشہ نشینوں کا ایک گروہ بنارہے ہیں تو اگر یہ عمداً واقعہ کی غلط تعبیر نہیں ہے اور واقعی غلط فہمی ہی ہے وا سے ہم صاف صاف رفع کردینا چاہتے ہیں۔ ہم دراصل ایسا گروہ تیار کرنا چاہتے یں جو ایک طرف زہد وتقویٰ میں اصطلاحی زاہدوں اور متقیوں سے بڑھ کر ہو اور دوسری طرف دنیا کے انتظام کو چلانے کی قابلیت وصلاحیت بھی عام دنیاداروں سے زیدہ اور بہتر رکھا ہو۔ ہمارے نزدیک دنیا کی تمام خرابیوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ نیک لوگ نیکی کے صحیح مفہوم

سے نا آشنا ہونے کی بنا پر گوشہ گیر ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور پرہیز گاری اس کو سمجھتے ہیں کہ دنیا کے معاملات ہی پرہیز کریں، اور دوسری طرف ساری دنیا کے کاروبار بدوں کے ہاتھ میں آجاتے ہیں جن کی زبان پر نیکی کا نام اگر آتا بھی ہے تو صرف خلق کو دھوکا دینے کے لیے۔ اس رابکی کا علاج صرف یہی ہوسکتا ہے کہ صالحین کی ایک جماعت منظم کی جائے جو خدا ترس بھی ہو، راست باز اور دیانت دار بھی ہو، خدا کے پسندیدہ اخلاق اور اوصاف سے آراستہ بھی ہو اور اس کے ساتھ دنیا کے معاملات کو دنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھے اور خود دنیا داری ہی میں اپنی مہارت و قابلیت سے ان کو شکست دے سکے۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑا اور کوئی سیاسی کام نہیں ہوسکتا اور نہ اس سے زیادہ کامیاب سیاسی تحریک اور کوئی ہوسکتی ہے کہ ایسے ایک صالح گروہ کو منظم کر یا جائے۔ بد اخلاق اور بے اصول لوگوں کے لیے دنیا کی چراگاہ میں بس اسی وقت تک چرنے چگنے کی مہلت ہے جب تک ایسا گروہ نہیں تیار ہو جاتا اور جب ایسا گروہ تیار ہو جائے گا تو آپ یقین رکھیے کہ نہ صرف آپ کے اس ملک کی بلکہ بتدریج ساری دنیا کی سیاست اور معیشت اور مالیات اور علوم و آداب اور عدل و انصاف کی باگیں اسی گروہ کے ہاتھ میں آجائیں گی اور فساق و فجار کا چراغ ان کے آگے نہ جل سکے گا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ انقلاب کس طرح رونما ہوگا لیکن جتنا مجھے کل سورج کے طلوع ہونے کا یقین ہے اتنا ہی مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ یہ انقلاب بہر حال رونما ہو کر رہے گا بشرطیکہ ہمیں صالحین کے ایسے گروہ کو منظم کرنے میں کامیابی حاصل ہو جائے۔

رفقاء جماعت سے خطاب:

اب میں آپ لوگوں سے اجازت چاہوں گا کہ تھوڑی دیر کے لیے عام خطاب کو چھوڑ کر خاص طور پر کچھ باتیں اپنے رفقاء سے عرض کروں۔

رفقاء محترم! سب سے پہلے آپ سے خطاب کرتے ہوئے میں اسی بات کو دہرانا ضروری سمجھتا ہوں جسے ہر اجتماع کے موقعہ پر دہراتا رہا ہوں کہ اپنی اس عظیم الشان ذمہ داری کو محسوس کیجئے جس کو آپ نے شعوری طور پر اپنے خدا سے عہد و میثاق مضبوط کر کے اپنے اوپر خود عائد کر لیا ہے۔ آپ کے اس عہد کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ آپ قانون الٰہی کے زیادہ سے زیادہ پابند ہوں اور آپ کے عقیدے اور قول و عمل میں کامل مطابقت ہو اور آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہ جائے جس

میں آپ کے افکار و اعمال سے اسلام سے مختلف ہوں، جس پر آپ ایمان لائے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ آپ کے اسی عہد کا تقاضا اور نہایت شدید تقاضا یہ بھی ہے کہ جس اسلام پر آپ ایمان لائے ہیں اور جسے آپ اپنے بادشاہ کا دین سمجھتے ہیں اور جسے آپ تمام نوع انسانی کے لیے حق جانتے ہیں اور واحد ذریعہ فلاح بھی سمجھتے ہیں اسکو تمام دوسرے دینوں اور مسلکوں اور نظاموں کے مقابلے میں سربلند کرنے کے لیے، اور نوع انسانی کو ادیان باطلہ کیفسا دانگیز تباہ کاریوں سے بچا کر دین حق کی سعادتوں سے بہرہ ور کرنے کے لیے آپ میں کم از کم اتنی بے چینی پائی جائے جتنی آج ادیانِ باطلہ کے پیرو اپنے اپنے جھوٹے اور غارتگر دینوں کی حمایت و برتری کے لیے دکھا رہے ہیں۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے ان لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جو سخت سے سخت خطرات، شدید سے شدید نقصانات، جان و مال کے زیاں، ملکوں کی تباہی اور اپنی اولاد اور اپنے عزیزوں اور جگر گوشوں کی قربانی صرف اس لیے گوارا کر رہے ہیں کہ جس طریقِ زندگی کو وہ صحیح سمجھتے ہیں اور جس نظام میں انکے لیے فلاں کا امکان انہیں نظر آتا ہے اسے نہ صرف اپنے ملک پر بلکہ ساری دنیا پر غالب کر کے چھوڑیں۔ ان کے صبر اور ان کی قربانیوں اور محنتوں اور ان کے تحمل مصائب اور اپنے مقصد کے ساتھ ان کے عشق کا موازنہ آپ اپنے عمل سے کر کے دیکھیے اور محسوس کیجئے کہ آپ اس معاملے میں ان کے ساتھ کیا نسبت رکھتے ہیں۔ اگر فی الواقع آپ کبھی ان کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو صرف اسی وقت جب کہ ان حیثیات میں آپ ان سے بڑھ جائیں، ورنہ آپ کے مالی ایثار، آپ کے وقت اور محنت کے ایثار، اور اپنے مقصد کے ساتھ آپ کی محبت اور اس کے لیے آپ کی قربانی کا جو حال اس وقت ہے اس کو دیکھتے ہوئے تو آپ یہ حق بھی نہیں رکھتے کہ اپنے دل میں اس تمنا کو پرورش کریں کہ آپ کے ہاتھوں یہ جھنڈا کبھی بلند ہو۔

دوسری چیز جس کی طرف مجھے آپ کو توجہ دلانے کی بار بار ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ دین کے اصولی اور بنیادی امور کی اہمیت کو سمجھیں اور فروغ کے ساتھ جو اہتمام اب تک کرتے رہے ہیں اور جس اہتمام کی بیماری آپ کے سارے مذہبی ماحول کو لگی ہوئی ہے اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری اور جماعت کے چند دوسرے صاحب علم و نظر رفقاء کی کوششوں کے باوجود ہماری جماعت میں ابھی تک ان جزئیات کے ساتھ اچھا خاصہ انہاک بلکہ غلو پایا جاتا ہے جن پر ایک مدت سے فرقہ بندیاں اور گروہی کشمکشیں ہوتی رہی ہیں، اور یہ

کیفیت بسا اوقات اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ہماری تفہیم سے اس طریقے کو چھوڑنے کے بجائے ہمارےبعض رفقاء الٹا ہمیں کو ان بحثوں میں اُلجھانے کی کوشش کرتے ہیں وہ کتنی ہی اہمیت رکھتی ہیں مگر بہر حال یہ وہ چیزیں نہیں ہیں جن کو قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو مبعوث کیا ہو اور اپنی کتابوں کو نازل کیا ہو۔ انبیاء کی بعثت او کتب الٰہی کی تنزیل کا مقصد رہا ہے کہ خلق خدا اپنے مالک حقیقی کے سوا کسی کے تابع فرمان نہ رہے، قانون صرف خدا کا قانون ہو، تقویٰ صرف خدا سے ہو، امر صرف خدا کا مانا جائے، حق اور باطل کا فرق اور زندگی میں راہ راست کی ہدایت صرف وہی مسلم ہو جسے خدا نے واضح کیا ہے اور دنیا میں ان خرابیو کا استیصال کیا جائے جو اللہ کو نہ پسند ہیں اور ان خیرات وحسنات کو قائم کیا جائے جو اللہ کو محبوب ہیں۔ یہ ہے دین اور اسی کی اقامت ہمارا مقصد ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسی کام پر ہم مامور ہیں۔ اس کام کی اہمیت اگر آپ پوری طرح محسوس کر لیں اور اگر آپ کو اس بات کا بھی احساس ہو کہ اس کام کے معطل ہو جانے اور باطل نظاموں کے دنیا پر غالب ہو جانے سے دنیا کی موجودہ حالت کس قدر شدت سے غضب الٰہی سے بچنے اور رضائے الٰہی سے سرفراز ہونے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اپنی تمام قوت خواہ وہ مال کی ہو یا جان کی، دماغ کی ہو یا زبان کی صرف اقامت دین کی سعی میں صرف کر دیں تو آپ تو آپ سے کبھی ان فضول بحثوں اور ان لایعنی افکار کا صدور نہ ہو سکے جن میں اب تک آپ میں سے بہت سے لوگ مشغول ہیں میرے نزدیک یہ تمام مشاغل صرف اس ایک چیز کا نتیجہ ہیں کہ لوگوں نے ابھی تک اس بات کو پوری طرح سمجھا نہیں ہے کہ دین حقیقت میں کس چیز کا نام ہ اور اس کے واقعی مطالبات اپنے پیروؤں سے کیا ہیں۔

ایک اور خامی جو ہماری بعض رفقاء میں پائی جاتی ہے اور جو اکثر ہمارے لیے سبب پریشانی بنتی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات اصول اور نظریئے کی حد تک تو اس جماعت کے مسلک کو سمجھ گئے ہیں لیکن طریق کار کو اچھی طرح نہیں سمجھے اس لیے بار بار ان کی توجہات دوسری مختلف جماعتوں کے طریقوں کی طرف پھر جاتی ہیں اور وہ کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر کے بطور خود ہمارے نصب العین اور دوسروں کے طریق کار کی ایک معجون مرکب بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب انہیں اس سے روکا جاتا ہے تو وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم خوامخواہ ایک اچھے چلتے ہوئے زوراثر طریق کار کو محض اس تعصب کی بنا پر اختیار نہیں کرنا چاہتے کہ وہ ہمارا نہیں بلکہ دوسروں کا ایجاد کردہ طریقہ ہے بعض حضرات نے تو

ستم ہی کر دیا کہ جب ہماری طرف سے ان کوٹو کا گیا تو انہوں نے ہمیں یہ اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ نام آپ ہی کا لیا جائے گا دوسروں کا نہ لیا جائے گا گویا ان کے نزدیک ہماری ساری تگ ودو صرف اپنا رجسٹرڈ ٹریڈ مارچ چلانے کے لیے ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہوئے بھی وہ ہمارے ساتھ اس جماعت میں شریک ہیں ہماری جماعت کی بعض مقامی شاخیں اس دبا سے خاص طور پر بہت زیادہ متاثر ہوئی ہیں لیکن جہاں تاثر اتنا زیادہ نہیں ہے وہاں بھی مختلف طریقوں سے اس بات کا اظہار ہوتا رہتا ہے کہ کوئی تیز رفتار طریق کار تیار کر کے جلدی سے کچھ چلتا پھرتا کام دنیا کے سامنے پیش کر دیا جئے یہ سب عمل بلا فکر کی اس پرانی بیماری کے نتائج ہیں جو مسلمانوں میں بہت دنوں سے پرورش پا رہی ہے اور فکر بالا عمل سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں سے کسی میں بھی فی الواقع کوئی جان ہوتی جو اس وقت مسلمانوں میں چل رہی ہیں تو شاید ہم اس جماعت کی تاسیس میں ابھی کچھ تامل سے کم لیتے اور اپنی پوری قوت ان نسخوں کو آزمالینے میں صرف کر دیتے مگر جو تھوڑی بہت نظر وبصیرت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے اس کی بنا پر ہم خوب اچھی طرح یہ سمجھ چکے ہیں کہ وقت کی چلتی ہوئی تحریکوں اور ان کی قیادتوں میں سے ایک بھی مسلمانوں کے مرض کا صحیح علاج نہیں ہے اور نہ اسلام کے اصل منشاء کو پورا کرنے والی ہے محض جزوی طور پر مسلمانوں کے امراض کی ناکافی اور سطحی تشخیص کی گئی ہے اور محض جزوی طور پر مسلمانوں کے امرا کی ناکافی اور سطحی تشخیص کی گئی ہے اور اسلام کے اصل تقاضوں کا بھی صحیح طور پر ادراک نہیں کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی اچھی طرح نہیں سمجھا گیا کہ کفر وفسق کا یہ غلبہ اور دین کی یہ بے بسی اور مغلوبی جو آج موجود ہے فی الحقیقت کن اسباب کا نتیجہ ہے اور اب اس حالت کو بدلنے کے لیے کس ترتیب وتدریج سے کن کن میدانوں میں کیا کیا کام کرنا ہے ان سب چیزوں کو سوچے اور سمجھے بغیر جو سطحی اور جزئی تحریکیں جاری کی گئیں اور ان کو چلانے کے لیے جوز ودا ثر اور فی الفور نتیجہ منظر عام پر لے آنے والے طریقے اختیار کے گئے وہ سب ہمارے نزدیک چاہے غلط نہ ہوں چاہے ان کی مذمت ہم نہ کریں چاہیے ان کی اور ان کے پیچھے کام کرنے والے اخلاص کی ہم دل سے قدر کریں مگر ہم ان کو لا حاصل سمجھتے ہیں اور ہمیں پوری طرح یقین ہے کہ اس قسم کی تحریکیں اگر صدیقوں تک بھی پوری کامیابی اور ہنگامہ خیزی کے ساتھ چلتی رہی ہیں تب بھی نظام زندگی میں کوئی حقیق یا نقلاب رونما نہیں ہوسکتا حقیقی انقلاب اگر کسی تحریک سے رونما ہوسکتا ہے تو وہ صرف ہماری یہ تحریک ہے اور ان کے لیے فطرتاً یہی ایک طریق کار ہے جو ہم نے خوب

سوچ سمجھ کر اور اس دین کے مزاج اور اس کی تاریخ کا گہرا جائزہ لے کر اختیار کیا ہے اس میں شک نہیں کہ ہمارا طریق کار نہایت صبر آزما ہے سست رفتار ہے جلدی سے کوئی محسوس نتیجہ اس سے رونما نہیں ہوسکتا اور اس میں برسوں تک لگاتار ایسی محنت کرنی پڑتی ہے جس کے اثرات اور جس کی عملی نمود کو بسا اوقات خود محنت کرنے والا بھی محسوس نہیں کرسکتا لیکن اس راہ میں کامیابی کا راستہ یہی ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا طریق کار اس مقصد کے لیے ممکن نہیں ہے جن لوگوں کو ہمارے مسلک اور طریق کار یا ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اطمینان حاصل نہ ہوں ان کے لیے یہ راستہ تو کھلا ہوا ہے کہ جماعت سے باہر جا کر اپنی صوابدید سے جس طرح چاہیں کام کریں لیکن یہ اختیار انہیں کسی طرح نہیں دیا جاسکتا کہ بطور خود وہ ان دونوں میں یا ان میں سے کسی ایک چیز میں جو ترمیم چاہیں کرلیں۔ ہمارے ساتھ جس کو چلنا چاہیے اور جو شخص کچھ بھی میلان دوسری تحریکوں اور جماعتوں کی طرف رکھتا ہوا اسے پہلے ان راستوں کو آزما کر دیکھ لینا چاہیے پھر اگر اس کا ذہن اسی فیصلے پر پہنچے جس پر ہم پہنچے ہوئے ہیں تو وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ ہمارے ساتھ آجائے۔

سطحیت اور مظاہرہ پسندی اور جلد بازی کی جو کمزوری مسلمانوں میں بالعموم پیدا ہوگئی ہے اس کا ایک ثبوت مجھے حال میں یہ ملا ہے کہ عوام میں تعلیم بالغان کے ذریعے سے کام کرنے کا جو طریقہ چند ماہ پیشتر میں نے پیش کیا تھا اس نے بہت کم لوگوں کو اپیل کیا مگر گروہ بنا بنا کر بستیوں میں گشت لگانے اور فوری نتیجہ دکھانے والے طریق کار کے لیے (خواہ اس کا اثر کتنا ہی ناپائیدار ہو) مختلف مقامات سے ہمارے رفقاء کے تقاضے برابر چلے آرہے ہیں اور کسی فہمائش پر بھی ان کا سلسلہ ٹوٹنے میں نہیں آتا حالانکہ ایک طرف یہ طریق کار ہے کہ ایک سال یا اس سے زیادہ مدت تک ناخواندہ عوام میں سے چند آدمیوں کو پیہم تعلیم و تربیت دے کر پختہ کرلیا جائے اور ان کے عقائد، اخلاق، اعمال، مقصد زندگی، معیار قدر و قیمت، ہر چیز کو پوری طرح بدل ڈالا جائے اور پھر ان کو اپنی جماعت کا مستقل کارکن بنا کر مزدوروں کسانوں اور دوسرے عام طبقوں میں کام کرنے کے لیے استعمال کیا جائے اور دوسری طرف یہ طریق کار ہے کہ ایک قلیل مدت میں ہزارہا آدمیوں کو بیک وقت چند ابتدائی امور دین کی حد تک مخاطب کیا جائے اور فوری طور پر ان میں ایک حرکت پیدا کر کے چھوڑ دیا جائے چاہے دوسرے چکر کے وقت پہلی حرکت کا کوئی اثر ڈھونڈے بھی نہ مل سکے ان دونوں طریقوں میں سے جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ پختہ نتائج پیدا کرنے والے دیر طلب، محنت طلب اور صبر آزما

طریقے کو سنتے ہیں اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے اور دوسرے طریقے کی طرف بار بار دوڑ چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو میرے سامنے مسلمانوں کی وہ کمزوریاں بالکل بے نقاب ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے اب تک وہ خام کاریوں ہی میں اپنی قوتیں اور محنتیں اور اپنے مال اور اوقات ضائع کرتے رہے ہیں میں اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جب تک اس جماعت کی باگیں میرے ہاتھ میں ہیں میں اپنے رفقاء کو صحیح اور حقیقی نتیجہ خیز کاموں ہی پر لگانے کی کوشش کروں گا اور بے حاصل کوششوں میں جانتے بوجھتے ان کو مشغول نہ ہونے دوں گا۔

اپنی تقریر کو ختم کرنے سے پہلے ایک آخری بات کی طرف میں آپ لوگوں کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں ہمارے حلقہ رفقاء میں ایک اچھا خاصا گروہ ایسا پایا جاتا ہے جس نے تبلیغ واصلاح کے کام میں تشدد اور سخت گیری کا رنگ اختیار کر لیا ہے جو سوالات کن کی طرف سے اکثر میرے پاس آتے رہتے ہیں ان سے میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ان کے اندر بگڑے ہوئے لوگوں کو سنوارنے کی بے تابی اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی انہیں انے سے کاٹ پھینکنے کی بے تابی ہے دینی حرارت نے ان میں ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ اتنا نہیں ابھارا جتنا نفرت اور غصے کا جذبہ ابھار دیا ہے اسی وجہ سے وہ اکثر یہ تو پوچھتے ہیں کہ جو لوگ ایسے اور ایسے ہیں ان سے ہم تعلقات کیوں نہ منقطع کر لیں اور ان کے ساتھ نمازیں کیوں پڑھیں اور ان کو کافر و مشرک کیوں نہ کہیں لیکن یہ پوچھنے کا ان کو بہت کم خیال آتا ہے کہ ہم اپنے ان بھٹکے ہوئے بھائیوں کو سیدھی راہ پر کیسے لائیں ان کی غفلت و بے خبری کو کس طرح دور کریں ان کی کجروی کو راست روی سے کیسے بدلیں اور ان کو نور ہدایت سے مستفید ہونے پر کیونکر آمادہ کریں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے فضل سے اور اپنی خوش قسمتی سے حق کو پالیا ہے ان کے اندر اس وجدان حق نے شکر کی بجائے کبر کا جذبہ پیدا کر دیا ہے اور اسی کا اظہار ان شکلوں میں ہو رہا ہے خدا نہ کرے کہ میرا یہ گمان صحیح ہو لیکن میں اسے صاف صاف اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ ہمارے رفیقوں میں سے ہر شخص پوری خدا ترسی کے ساتھ اپنے نفس کا جائزہ لے کر تحقیق کرنے کی کوشش کرے کہ کہیں شیطان نے یہ مرض تو ان کو نہیں لگا دیا ہے واقعہ یہ ہے کہ بگڑی ہوئی سوسائٹی کے درمیان علم صحیح اور علم صالح رکھنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک وبائے عام میں مبتلا ہو جانے والی بستی کے درمیان چند تندرست لوگ موجود ہوں جو کچھ طب کا علم بھی رکھتے ہوں اور کچھ دواؤں کا ذخیرہ بھی ان کے پاس ہو مجھے بتایئے کہ اس وباء زدہ بستی میں ایسے چند لوگوں کا حقیقی فرض کیا ہے؟ کیا یہ

مریضوں سے اور ان کی لگی ہوئی آلائشوں سے نفرت کریں یا انہیں اپنے سے دور بھگائیں اور انہیں چھوڑ کر نکل جانے کی کوشش کریں یا یہ کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر ان کا علاج اور ان کی تیمارداری کرنے کی فکر کریں اور اس سعی میں اگر کچھ نجاستیں ان کے جسم ولباس کو لگ بھی جائیں تو انہیں برداشت کرلیں شاید میں پورے وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ اگر یہ لوگ یہی صورت اختیار کریں تو خدا کے ہاں الٹے مجرم قرار پائیں گے اور ان کی اپنی تندرستی اور ان کا علم طب سے واقف ہونا اور ان کے پاس دواؤں کا ذخیرہ موجود ہونا نافع ہونے کے بجائے الٹا ان کے جرم کو اور زیادہ سخت بنا دے گا اسی پر آپ قیاس کرلیں کہ جن لوگوں کی دینی تندرستی حاصل ہے اور جو دین کا علم اور اصلاح کے ذرائع بھی رکھتے ہیں ان کے لیے کون سا طریقہ رضائے الٰہی کے مطابق ہے۔

o